واقعات مسرت و غم کی یاد

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کائنات کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ جس دن حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس جہانِ رنگ و بو میں تشریف آوری ہوئی، فرحت واِنبساط کے اِظہار کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دن نہیں ہو سکتا۔ غم ہو یا خوشی، یہ انسان کا خاصہ ہے کہ وہ ان کیفیات کو اپنے اوپر طاری کر لیتا ہے۔ غم اور خوشی، خوف اور سکینت یا امید اور ناامیدی زندگی کے وہ پہلو ہیں جو انسان کے تصور وتخیل میں جا گزیں ہو کر اس کی انفرادی اور اجتماعی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے گزشتہ اُمتوں پر انعامات فرما کر انہیں خوشی اور انبساط کی دولت سے مالا مال کر دیا، مگر ساتھ ہی اُن کی سرکشی پر عذاب کی وعید بھی سنائی اور نافرمان قوموں کو درسِ عبرت بنا دیا۔

ہدایت ہو یا گمراہی، ان کا تعلق انسان کے نفسیاتی حقائق سے ہے۔ جب تک دل کے اندر حسنِ نیت کا پھول نہ کھلے اور انسان کے وجود میں کیفیت کی خوشبو نہ مہکے اس وقت تک عمل کا گلشن بے بہار رہتا ہے۔ جب کیفیت انسان کے دل و دماغ میں جا گزیں ہو جائے اور انسان صاحبِ حال ہو جائے تو اَفکارِ ہدایت اور اَنوارِ رضا کا نزول ہونے لگتا ہے۔ پھر وہ نور عطا ہوتا ہے جس کے تتبع میں انسان زندگی کا سفر طے کرتا ہے۔

ان کیفیات سے مستفیض ہونے کے لیے یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا کہ کیفیت کا چشمہ نسبت و تعلق سے پھوٹتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹے کی جدائی کے غم میں بینائی سے

محروم ہو گئے تھے۔ اللہ کے یہ نبی غم کی کیفیت میں ڈوبے رہتے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا قمیض بھیجا تو اسے آنکھوں پر لگانے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی، اور غم خوشی میں بدل گیا۔ پہلے صبر طاری تھا اب شکر طاری ہو گیا۔ یہ سارا کمال نسبت کا تھا، قمیض کو حضرت یوسف علیہ السلام سے نسبت تھی۔ ہماری زندگی کے کئی واقعات ایسے ہیں جن کا محور یہی نسبت ہے۔ ہمارے گھروں میں کون کون سی اَشیاء برسوں سے چلتی آرہی ہیں، ہم انہیں بہ حفاظت رکھتے ہیں اور اپنے والدین یا بزرگوں اور اقرباء کی نشانیاں دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں۔ ان کے لمس سے وجود میں کیفیت کا ایک باغ کھل اٹھتا ہے۔ ہمارے غم اور خوشیاں بھی اِسی طرح نسبت و تعلق سے وجود پاتی ہیں، ہماری کیفیات کا دھارا نسبت کے چشمے سے ہی پھوٹتا ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں جن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے اُمت کو یہ تعلیم ملتی ہے کہ جب کبھی خوشی کا لمحہ یاد کرو تو اس لمحے کی کیفیات اپنے اوپر طاری کر لو اور جب کوئی لمحۂ مصائب وآلام یاد آئے تو غم کی کیفیات میں ڈوب جاؤ. جب ان لمحات پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں سمٹی ہوئی کیفیات اس نسبت سے جنم لے رہی ہیں جو ان لمحات کو کسی ہستی سے تھی۔ احادیثِ مبارکہ میں مذکور ایسے چند واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

1۔ یومِ موسیٰ علیہ السلام منانے کی ہدایت

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودِ مدینہ کو یومِ عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ رکھنے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے بتایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح اور فرعون کو اس کے لاؤ لشکر سمیت غرقِ نیل کرتے ہوئے بنی اِسرائیل کو فرعون کے جبر و استبداد سے نجات عطا فرمائی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے اس دن روزہ رکھا، لہٰذا ہم بھی اس خوشی میں روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (ایک نبی ہونے کی حیثیت سے) میرا موسیٰ پر زیادہ حق ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہونے والی نعمتِ خداوندی پر اِظہارِ تشکر کے طور پر خود بھی روزہ رکھا اور اپنے تمام صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

1. بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، 2 : 704، رقم: 1900
2. بخاری، الصحیح، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالی: وہل اتاک حدیث موسی، 3 : 1244، رقم: 3216
3. بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب اتیان الیہود النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حین قدم المدینۃ، 3 : 1434، رقم: 3727
4. مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، 2 : 795، 796، رقم: 1130
5. ابوداود، السنن، کتاب الصوم، باب فی صوم یوم عاشوراء، 2 : 326، رقم: 2444
6. ابن ماجۃ، السنن، کتاب الصیام، باب صیام یوم عاشوراء، 1 : 552، رقم: 1734

7.اِحمد بن حنبل، المسند، 1 : 291،336، رقم: 2644،3112
8.اِبو یعلٰی، المسند، 4 : 441، رقم: 2567

اِس سے واضح ہوتا ہے کہ بنی اِسرائیل اپنی قومی تاریخ میں وقوع پذیر ہونے والے خوشی کے واقعہ کی یاد روزہ رکھ کر مناتے تھے، اور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی خوشی کے ان لمحات کو یاد کرتے ہوئے روزہ رکھا۔

2. یومِ نوح علیہ السلام کی یاد منانا

امام احمد بن حنبل (164۔241ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانی (773۔852ھ) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں یومِ عاشورہ منانے کا یہ پہلو بھی بیان ہوا ہے کہ عاشورہ حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام کا دن تھا۔ اس روز وہ بہ حفاظت جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئے تھے۔ اِس پر حضرت نوح علیہ السلام کی جماعت اس دن کو یوم تشکر کے طور پر منانے لگی، اور یہ دن بعد میں آنے والوں کے لیے باعثِ اِحترام بن گیا۔ اِس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو بھی اُس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

1.اِحمد بن حنبل، المسند، 2 : 359،360، رقم: 8702
2. عسقلانی، فتح الباری، 4 : 247

3۔یومِ تکمیلِ دین بہ طورِ عید منانا

حضرت کعب اَحبار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: میں ایسی قوم کو جانتا ہوں کہ اگر ان پر یہ آیت نازل ہوتی تو وہ اسے عید کے طور پر مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون سی آیت؟ حضرت کعب اَحبار رضی اللہ عنہ نے کہا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا.

المائدۃ، 5 : 3

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اِسلام کو (بہ طور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔‘‘

اِس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إني لأعرف في أي يوم أنزلت: (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ)، يوم جمعة ويوم عرفة، وهما لنا عيدان.

1. طبرانی، المعجم الأوسط، 1 : 253، رقم: 830
2. عسقلانی، فتح الباری، 1 : 105، رقم: 45
3. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 2 : 14

’’میں پہچانتا ہوں کہ کس دن **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ** نازل ہوئی: جمعہ اور عرفات کے دن، اور وہ دونوں دن (پہلے سے) ہی ہمارے عید کے دن ہیں۔‘‘

اللہ ربّ العزت کی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین کی تکمیل کا مژدہ ملنے والے دن کو بہ طور عید منانے کے خیال کا حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کی طرف سے اِظہار اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تائید و توثیق اِس اَمر کی دلیل ہے کہ ہماری قومی و ملی زندگی میں ایسے واقعات، جن کے اَثرات کا دائرہ قومی زندگی پر محیط ہو ان کی یاد ایک event کی یعنی عید کے طور پر منانا نہ صرف قرآن وسنت کی مستقل رُوح سے متصادِم نہیں بلکہ مستحسن اور قومی و ملّی ضرورت ہے۔

لمحاتِ مسرّت کی یاد منانے کے ضمن میں مذکور واقعات کی تفصیل کتاب ھٰذا کے باب پنجم میں ملاحظہ فرمائیں۔

4۔ مقامِ حجر سے گزرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات

سن 9 ہجری میں تبوک کے سفر کے دوران میں مسلمانوں نے قومِ ثمود کے دو کنوؤں کے نزدیک پڑاؤ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس مقام کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا کہ اِس جگہ سیدنا صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا تھا اور نتیجتاً عذابِ الٰہی کا شکار ہو گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو صرف ایک کنویں سے اپنی ضروریات کے لیے پانی حاصل کرنے کا حکم دیا اور دوسرے کنوئیں کا پانی استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کنویں سے پانی لینے کا حکم دیا اس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور ایک پورا دن اس اونٹنی کے لیے خاص تھا مگر قومِ

ثمود کو یہ گوارانہ تھا کہ اس ایک دن میں صرف اونٹنی ہی پانی پیئے۔ لہٰذا انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اسے ہلاک کر ڈالا۔ یہ واقعہ رُونما ہوئے صدیاں بیت چکی تھیں اور وہاں حضرت صالح علیہ السلام تھے نہ اُن کی اونٹنی صدہا سال گزر جانے کے بعد اس کنویں کے پانی میں بھی خاصا تغیر آچکا ہوگا لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کنویں کو اتنی اہمیت دی۔ سبب صرف یہ تھا کہ اسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے نسبت تھی جو برکت کا باعث تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو اس برکت سے فیض حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ جب کہ قومِ ثمود کے زیرِ استعمال رہنے والے دوسرے کنویں کا پانی استعمال کرنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو روک دیا کیوں کہ قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹی کو آپ کی طرف سے وعیدِ عذاب سنائے جانے کے باوجود ہلاک کر دیا تھا۔ اِس قبیح عمل پر اللہ تعالیٰ نے اس نافرمان قوم پر عذاب نازل کیا اور وہ سب ہلاک ہوگئے۔ اسی نسبت کے پیش نظر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کنویں کا پانی استعمال کرنے سے منع فرمادیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم سے پہلے بعض صحابہ رضی اللہ عنھم اس کنویں کے پانی کو اِستعمال کر چکے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا تو عرض کرنے لگے: آقا! ہم تو آپ کے منع کرنے سے پہلے ہی اس کا پانی استعمال میں لا چکے ہیں، ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ یہ کنواں عذاب میں مبتلا ہونے والی قوم کا تھا۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے برتنوں میں ذخیرہ شدہ پانی ضائع کر دیں اور اگر اس پانی سے کھانا وغیرہ پکایا ہے

تو اسے بھی ضائع کر دیں، اور اپنے برتن اُس کنویں کے پانی سے بھر لیں جو حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی وجہ سے باعثِ برکت ہے اور اُسی پانی سے اپنا کھانا وغیرہ بنائیں۔

ذیل میں ہم اِس پورے واقعہ کو احادیثِ مبارکہ کے الفاظ کی روشنی میں بیان کریں گے :

(1) مقامِ حجر پر قومِ ثمود کے کنویں سے پانی پینے کی ممانعت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں :

إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما نزل الحجر فی غزوۃ تبوک، أمرھم أن لا یشربوا من بئرھا، ولا یستقوا منھا، فقالوا : قد عجنا منھا واستقینا، فأمرھم أن یطرحوا ذلک العجین، ویھریقوا ذلک الماء.

”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران میں مقامِ حجر میں اُترے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو اس کے کنویں کا پانی پینے اور مشکوں میں بھرنے سے منع فرما دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا : ہم نے تو (آپ کے حکم فرمانے سے پہلے ہی) اس سے آٹا گوندھ لیا ہے اور برتن بھی بھر لیے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہ آٹا پھینکنے اور پانی بہا دینے کا حکم فرمایا۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ : وإلی ثمود إخاہم صالحا، 3 : 1236، 1237، رقم: 3198
2. قرطبّی، الجامع لأحکام القرآن، 10 : 46
3. بغوی، معالم التنزیل، 2 : 178
4. ابن حزم، المحلی، 1 : 220
5. عسقلانی، تغلیق التعلیق، 4 : 19

(2) حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے مشرب سے پانی پینے کا حکم

1۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قومِ ثمود کی سرزمین حجر پر آئے تو انہوں نے اس کے کنویں سے پانی بھر لیا اور آٹا گوندھ لیا۔

فأمرہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إن یہریقوا ما استقوا من بئرہا، وإن یعلفوا الإبل العجین، وإمرہم إن یستقوا من البئر التی کانت تردہا الناقۃ.

’’پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس پانی کو پھینک دیں جو انہوں نے اس کنوئیں سے بھرا ہے، اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو ڈال دیں۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس مبارک کنویں کا پانی استعمال کریں جس سے (اللہ کے نبی صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پیتی تھی۔‘‘

1. بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ: وإلی ثمود أخاهم صالحا، 3 : 1237، رقم: 3199
2. مسلم، الصحیح، کتاب الزہد، باب لاتدخلوا مساکن الذین ظلموا أنفسهم، 4 : 2286، رقم: 2981
3. ابن حبان، الصحیح، 14 : 82، رقم: 6202
4. بیہقی، السنن الکبری، 1 : 235، رقم: 1050
5. قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، 10 : 46

2۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے سال مسلمانوں کا قافلہ مقامِ حجر پر قومِ ثمود کے گھروں کے پاس رُکا تو انہوں نے قومِ ثمود کے مشارِب سے پانی بھر لیا، آٹا گوندھ لیا اور گوشت سے بھری ہانڈیاں آگ پر چڑھا دیں۔

فأمرهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فأهراقوا القدور، وعلفوا العجين الإبل، ثم ارتحل بهم حتی نزل بهم علی البئر التي كانت تشرب منها الناقة، ونهاهم إن يدخلوا علی القوم الذين عذبوا، قال: إني أخشی إن يصيبكم مثل ما أصابهم، فلا تدخلوا عليهم.

’’(جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں (پھینک دینے کا) حکم دے دیا، تو انہوں نے ہانڈیاں انڈیل دیں اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں لے کر اس کنویں پر تشریف لائے جہاں (صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پانی پیتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عذاب زدہ قوم کے مقام پر جانے سے روکا۔ فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اسی مصیبت میں

مبتلا نہ ہو جاؤ جس میں وہ ہوئے تھے۔ پس تم ان (عذاب والی جگہوں) میں داخل نہ ہوا کرو۔"

1. احمد بن حنبل، المسند، 2 : 117، رقم: 5984
2. ابن حبان، الصحیح، 14 : 83، رقم: 6203
3. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 2 : 228

احمد بن حنبل کی روایت شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔

یہ اَمر قابلِ غور ہے کہ اس پانی میں فی نفسہ کوئی خرابی نہ تھی اور اَز رُوئے شرع وہ پاک تھا۔ چونکہ اس کا تعلق اس قوم سے تھا جس پر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو مارنے کی وجہ سے عذابِ اِلٰہی نازل ہوا، اِس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو وہ پانی اِستعمال کرنے سے روک دیا گیا۔ اس کے برعکس دوسرے کنویں کی نسبت حضرت صالح علیہ السلام کی معجزاتی اونٹنی سے تھی، لہٰذا اس نسبت کا احترام کرتے ہوئے اس کی برکت سے فیض یاب ہونے کی ہدایت کی گئی۔

(3) حضرت صالح علیہ السلام سے منسوب اونٹنی کی یاد

مذکورہ بالا روایات سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر سے نسبت کی برکت ہمیشہ قائم رہنے والی ہے، اور ایسی نسبتوں کے ادب اور ان سے حصولِ برکت کا درس خود آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِرشادات سے ثابت ہے۔ ذہن نشین رہے کہ یہاں جس کنویں کی بات ہو رہی ہے اُس سے حضرت صالح علیہ السلام

کی اونٹنی پانی پیتی تھی، خود حضرت صالح علیہ السلام کا اس کنویں سے پانی پینا مذکور نہیں۔ یہ واقعہ گزرے ہزاروں سال بیت گئے، خدا جانے اس دوران میں پانی کتنا بدل گیا ہوگا، اور اونٹنی کا بچا ہوا پانی رہا بھی ہوگا یا نہیں، مگر محض پیغمبر سے منسوب اونٹنی کی نسبت اس قدر اہم ہے کہ ایک طویل زمانہ گزرنے کے بعد بھی اس کے تصور میں پانی کا ادب اور اس کی برکت اسی طرح قائم ہے۔

(4) قومِ ثمود پر عذاب کے تصور سے کیفیاتِ غم وارِد کرنے کا حکم

غزوۂ تبوک کے موقع پر قومِ ثمود کو گزرے ہزاروں برس بیت چکے تھے، اب وادئ حجر میں عذاب نازل ہو رہا تھا نہ کافروں کی اُس بستی اور اُس نسل میں سے کوئی وہاں تھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں۔ لیکن جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس بستی کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنھم کو اُس قوم کے گھروں میں داخل ہونے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ وہ اس عذاب والی بستی سے روتے، گڑگڑاتے اور آہ و بکاء کرتے ہوئے گزریں۔ گویا وہاں اب بھی عذاب نازل ہو رہا ہے۔

1. حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لاتدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسھم إلا ان تکونوا باکین، ان یصیبکم مثل ما اصابھم.

”جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، ان کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر روتے ہوئے، مبادا جو مصیبت اُن پر آئی وہ تمہارے اوپر بھی آ جائے۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ : وإلی ثمود إخاہم صالحا، 3 : 1237، رقم:3200، 3201

2. مسلم، الصحیح، کتاب الزہد، باب لاتدخلوا مساکن الذین ظلموا إنفسہم، 4 : 2285، 2286، رقم:2980

3. إحمد بن حنبل، المسند، 2 : 96

4. ابن حبان، الصحیح، 14 : 80، رقم:6199

5. رویانی، المسند، 2 : 407، رقم:1409

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان اس بدبخت قوم کی جائے سکونت کے بارے میں تھا، جن پر اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب نازل ہوا تھا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو تلقین فرمائی کہ وہ اس بستی سے روتے ہوئے گزر جائیں۔ اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ذریعے امت کو نصیحت فرمائی کہ تمہیں گزشتہ قوموں کے ساتھ ہونے والے واقعاتِ عذاب یاد کرکے اپنے اوپر کیفیتِ غم اور حالتِ گریہ وزاری طاری کر لینی چاہیے اور ایک نفسیاتی فضا قائم کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے گڑگڑانا چاہئے تاکہ وہ عذاب جو سابقہ نافرمان قوموں پر آیا تم پر نازل نہ ہو۔ یہ حدیثِ مبارکہ اُمت کو یہی تعلیم دے رہی ہے۔ اگرچہ بظاہر کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی تھی اور حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ مسعود کے باعث کسی عذاب کا کوئی امکان نہ تھا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو ایسے غم انگیز جذبات، اِحساسات اور کیفیات پیدا کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام میں غم واندوہ کی وہ کیفیات جاگزیں دیکھنا چاہتے تھے جن سے وہ قومیں دوچار ہوئیں۔

یہ مضمون قلب وروح کے جذبات و محسوسات سے متعلق ہے۔ امام مسلم نے یہ روایت "الصحیح" کی کتاب الزھد والرقائق میں درج کی ہے جس کے ذریعے وہ یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث ان اعمال وافعال کی انجام دہی اور بجاآوری کی بنیاد ہے جن کے روحانی اثرات دل اور روح پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس نوع کے واقعات کا ذکر کر کے قلب و باطن کے اندر وہ خاص کیفیات و محسوسات اور جذبات پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے جو روحانی طور پر زندگی بدل دیں۔ اگر ایسے واقعات روح اور من کی دنیا پر اثر انداز نہیں ہوتے اور ان کا کوئی نفسیاتی اور روحانی فائدہ نہ ہوتا تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا ضرورت تھی کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے قلب و باطن اور روح کو اس قسم کے احساس سے آشنا فرماتے، پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس قسم کا حکم اِرشاد نہ فرماتے جس میں قلب و باطن کی تطہیر و تہذیب اور اثر پذیری کی کوئی صورت نہیں تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ کیفیات لازماً دل اور روح پر اثرات مرتب کرتی ہیں۔

2. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا تدخلوا علی ہؤلاء المعذبین الا ان تکونوا باکین، فإن لم تکونوا باکین فلا تدخلوا علیہم، لا یصیبکم ما اصابہم.

”تم ان عذاب زدہ لوگوں پر روتے ہوئے گزرا کرو۔ پس اگر تمہاری رونے کی حالت نہ ہو تو ان پر نہ گزرو، مبادا جس مصیبت سے وہ دوچار ہوئے تھے تمہیں بھی پہنچ جائے۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب المساجد، باب الصلاة فی مواضع الخسف والعذاب، 1 : 167، رقم : 423

2. بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب نزول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحجر، 4 : 1609، رقم: 4158

3. مسلم، الصحیح، کتاب الزہد، باب لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسہم، 4 : 2285، رقم: 2980

4. بیہقی، السنن الکبری، 2 : 451

5. عبد بن حمید، المسند، 1 : 255، رقم: 798

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذاب یافتہ قومِ ثمود کی بستی اور مکانات میں داخل ہونے سے اِس طرح منع فرمایا جیسے قومِ ثمود اب بھی وہاں سکونت پذیر ہو اور صحابہ ان کے گھروں میں داخل ہونے جا رہے ہیں۔ اِس لیے اس قوم کا تصور کرکے ان کی

بستی میں داخل ہونے سے منع فرمادیا کیوں کہ اس قوم کے افراد کو حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر موت کے گھاٹ اتارنے کے جرم کی پاداش میں عذاب خداوندی کانشانہ بنناپڑا تھا۔ اگرچہ اِس واقعہ کو گزرے صدیاں بیت چکی تھیں لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو اُس عذاب و عتاب اِلٰہی کا تصور ذہن میں لا کر خوف و خشیت کی کیفیت پیدا کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ اپنے دل و دماغ پر وہی کیفیت طاری کرکے اُس بستی سے روتے ہوئے گزریں۔ اور اگر وہ رونے کی کیفیت طاری نہ کرسکیں تو وادیٔ ثمود میں داخل ہی نہ ہوں۔

3۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا کہ جنہیں رونا نہ آئے وہ کیا کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فإن لم تبكوا فتباكوا، خشيةَ إن يصيبكم مثل ما اصابهم.

''اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرلو، اِس ڈر سے کہ جو مصیبت اُن پر آئی تم پر نہ آ جائے۔''

1. ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، 1 : 138
2. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 2 : 557
3. عسقلانی، فتح الباری، 6 : 380

پس بہتر تو یہی ہے کہ گریہ وزاری سے کام لیا جائے، تاہم اگر کسی پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی تو وہ اپنے اوپر رونے کی حالت طاری کرلے یعنی اپنی شکل ہی رونے والی

بنالے۔ اصل مقصود یہ تھا کہ ہر کوئی اُس عذاب کا تصور کرکے اپنے اوپر خوف و خشیتِ الٰہی کی کیفیت طاری کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے، اُس کے عذاب سے پناہ مانگے۔

قومِ ثمود پر عذاب نازل ہوئے صدیاں بیت گئی تھیں اور اُس لمحۂ موجود میں کوئی عذاب نہیں ہو رہا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گزشتہ واقعہ کے تصور اور یاد سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پر اُس وقت کی کیفیت طاری کردی۔

(5) وادیٔ حجر سے گزرتے وقت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملِ مبارک

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قومِ ثمود کی بستی سے گزرتے ہوئے خود کو چادر سے ڈھانپ لیا اور عذاب کا تصور کرکے اس وادی سے تیزی کے ساتھ گزر گئے۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ ہیں:

ثم تقنّع بردائہ، وہو علی الرحل.

’’پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری پر بیٹھے ہوئے خود کو چادر سے ڈھانپ لیا۔‘‘

1. بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب قول اللہ: وإلی ثمود أخاہم صالحا، 3 : 1237، رقم: 3200

2. احمد بن حنبل، المسند، 2 : 66

3. نسائی، السنن الکبری، 6 : 373، رقم: 11270

4. ابن مبارک، الزہد: 543، رقم: 1556

2۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے:

لما مرّ النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالحجر قال: لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا أنفسهم، إن یصیبکم ما أصابهم، إلا أن تکونوا باکین، ثم قنع رأسه، وأسرع السیر، حتی أجاز الوادی.

’’جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر کے مقام سے گزرے تو فرمایا: جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا (جس کے باعث ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا) تم ان کے گھروں میں داخل نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہیں ان جیسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سرِ انور ڈھانپ کر وادی کو تیزی سے عبور کیا۔‘‘

1. بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب نزول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحجر، 4 : 1609، رقم: 4157

2. مسلم، الصحیح، کتاب الزہد، باب لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا أنفسهم، 4 : 2286، رقم: 2980

3. عبد الرزاق، المصنف، 1 : 415، رقم: 1624

4. بیہقی، السنن الکبری، 2 : 451

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل میں ہمارے لیے کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ آپ اپنا سرِ انور ڈھانپتے ہوئے تیزی سے اس وادی سے گزر گئے۔ اس پہ مستزاد یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو بھی رونے کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرنے کا حکم فرمایا۔

توجہ طلب نکات

مندرجہ بالا روایات کے حوالے سے درج ذیل نکات نہایت اہم ہیں :

1۔ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ وہاں پر رسول محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں رحمتِ الٰہی کے باعث عذاب الٰہی نازل ہونے کا ذرّہ بھر امکان نہ تھا۔ شرکائے قافلہ مجاہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، ان میں معاذ اللہ کوئی کافر نہ تھا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش نودی کے حصول اور اِعلائے کلمہ حق کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے جا رہے تھے۔ روئے زمین پر تاریخ انسانی میں اس وقت ان سے بہترین جماعت اور کوئی نہ تھی جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں جہاد کے لیے پابہ رکاب نکلی ہوئی تھی۔ تو کیا وہ رحیم و کریم اس حالت میں ان نفوسِ قدسیہ پر عذاب نازل کرتا؟ اب وہاں کوئی قومِ ثمود نہ تھی جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اسے ہلاک کر ڈالا تھا۔ اس کے باوُجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اَز راہِ پند و موعظت فرمایا کہ وہ اپنے ذہنوں میں اس عذاب الٰہی کے خوف کی کیفیت پیدا کریں اور اپنے قلب و باطن میں یہ احساس پیدا کریں جیسے عذاب نازل ہونے والا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے اوپر یہ جذباتی کیفیت طاری کرنے کی تلقین کی گئ۔ چنانچہ ہر صحابی زار و قطار رونے، گڑگڑانے اور آہ و بکاء کرنے لگا، یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے ہر کوئی عذابِ الٰہی سے خوف زدہ ہے۔

2۔ دوسرا قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اِس سفرِ جہاد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تنہا نہ تھے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اُن کے ہمراہ تھے۔ اس ضمن میں فرمانِ اِلٰہی ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ.

”اور (دَر حقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں۔“

الأنفال، 8 : 33

عدمِ عذاب کی اس قرآنی بشارت سے قطع نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے صالح علیہ السلام کی قوم پر آنے والا عذاب یاد کرکے اپنے اوپر خوف و خشیتِ الٰہی کی کیفیات طاری کرلی تھیں۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں تھا اور یہی اسلام کا تقاضا ہے کہ غم یا خوشی کے واقعہ کی یاد میں افسوس، فکر مندی یا مسرت و انبساط کے اظہار میں موقع محل کے مطابق ویسی ہی کیفیات اپنے اوپر طاری کرلی جائیں اور دل و دماغ میں نفسیاتی فضا پیدا کرنے کے لیے انہی احساسات کو جگہ دی جائے جو اس واقعہ کا تقاضا ہوں اور جنہیں یاد کیا جانا مطلوب ہو۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کیفیات طاری کرنے اور طاری ہو جانے میں بہت فرق ہے۔ جب قلبی تعلق موجود ہو، عقیدہ راسخ ہو اور نسبت زندہ ہو تو یہ کیفیات خود بخود طاری ہو جاتی ہیں۔ کیفیت طاری ہونے اور کرنے میں اس وقت کوئی فرق نہیں رہتا جب تعمیلِ ارشاد تسکینِ روح کا باعث ہو۔ یہ اعجاز غلامیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوتا ہے۔

واقعہ غم انگیز ہو تو رونے اور گڑگڑانے کی کیفیت آلیتی ہے اور اگر واقعہ خوشی کا ہو تو اس کا اظہار مسرت وانبساط اور کیف ونشاط سے مملو جذبات کے ساتھ چہرے کو تبسم سے آراستہ کر دیتا ہے۔ کسی واقعہ کو اس طرح یاد کرنا منشائے مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد اِرشادات شاہد عادل ہیں۔

3۔ تیسری بات یہ کہ وادیٔ ثمود سے گزرتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو رونے کی کیفیت طاری کرنے کا حکم دیا بلکہ خود بھی اپنے اوپر وہ کیفیات اِس طرح طاری فرمالیں کہ اپنے سرِ اقدس اور چہرۂ انور کو چادر سے ڈھانپ لیا اور اپنی اونٹنی کو تیزی سے ہانک کر اس بستی سے دور لے گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر مبارک اونٹنی کے کجاوے پر جھکائے ہوئے تھے اور یہ تاثر مل رہا تھا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قہر زدہ بستی میں عذاب خداوندی سے دور بھاگ رہے ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ حالانکہ یہ واقعہ ہزارہا سال قبل ہوا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ مسعود کی برکت سے امت پر عذاب نہ اتارنے کا وعدہ فرمایا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خود رحمتِ عالم اور شفیعِ بنی آدم ہیں۔ جہاں جہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک پڑ جائیں وہاں سے عذاب کا تصور بھی معدوم ہو جاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا وسیلہ گنہگاروں کی عذاب سے رہائی اور نجات کا ضامن ہے۔اللہ تعالیٰ کا عذاب جس برگزیدہ اور مبارک ہستی کی وجہ سے آیا ہوا عذاب

ٹل جائے وہ خود عذابِ الٰہی کے خوف میں کیوں کر مبتلا ہو سکتی ہے؟ ان کے بارے میں تو ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ضعیف الایمان مسلمان کے دل میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ایسا ناپاک خیال ہرگز نہیں آسکتا۔ تو پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وادی سے گزرتے ہوئے ایسی کیفیت طاری کر لی تو یہ سب تعلیمِ اُمت کے لیے تھا۔

5. اَصحابِ فیل پر عذاب کا تصور اور وادیٔ مُحَسِّر سے جلدی گزرنے کا حکم

وادیٔ مُحَسِّر کے محلِ وقوع کے بارے میں مختلف اَقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ مزدلفہ کے قریب ایک علاقہ ہے جس کا نام وادیٔ مُحَسِّر ہے۔ (1) حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ وادیٔ مُحَسِّر منیٰ میں ہے۔ (2) شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اِن اَقوال میں تطبیق کرتے ہوئے کہتے ہیں: بعض علماء کا موقف ہے کہ وادیٔ مُحَسِّر منیٰ میں ہے، جب کہ بعض کہتے ہیں کہ وادیٔ مُحَسِّر مزدلفہ میں ہے، در حقیقت منیٰ اور مزدلفہ کی درمیانی علاقہ کا نام وادیٔ مُحَسِّر ہے۔ (3) سارا مزدلفہ موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے مگر وادیٔ مُحَسِّر اس سے خارج ہے۔ (4) حجاج کرام کو اس وادی میں توقف کرنے کی اِجازت نہیں۔ حکم یہ ہے کہ وہ 10 ذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب سے کچھ دیر پہلے جب تقریباً دو رکعت نماز ادا کرنے کا وقت رہ جائے تو تلبیہ کہتے اور ذکر کرتے ہوئے مزدلفہ سے منیٰ کو روانہ ہو جائیں اور جب وادیٔ مُحَسِّر کے کنارے پہنچیں تو وہاں سے تیزی کے ساتھ گزر جائیں، اگر سوار ہوں تو سواری کی رفتار تیز کر دیں۔ اور یہ

ساری مسافت عذابِ الٰہی سے پناہ مانگتے ہوئے طے کریں۔ (5) آخر ایسا کیوں ہے؟ اس وادی سے جلد گزرنے کا حکم اس لیے ہے کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند سال پہلے ابرہہ ہاتھیوں کا ایک لشکر لے کر کعبہ پر حملہ آور ہوا۔ جب وہ اپنے مذموم اِرادے کے ساتھ وادیٔ مُحَسِّر میں پہنچا تو عذابِ اِلٰہی نازل ہوا۔ ابابیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ پتھروں اور کنکریوں سے مسلح ہو کر ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر پر ٹوٹ پڑے، اور اس طرح ابرہہ اور اس کا تمام لشکر لقمۂ اَجل بن گیا۔ (6) سورۃ الفیل میں یہ واقعہ اِس طرح بیان ہوا ہے:

(1) یاقوت حموی، معجم البلدان، 1 : 449

(2) 1. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب إدامۃ الحاج التلبیۃ، 2 : 931، رقم: 1282
2. نسائی، السنن، کتاب مناسک الحج، باب الأمر بالسکینۃ فی الإفاضۃ من عرفۃ، 5 : 285، رقم: 3020
3. نسائی، السنن الکبری، 2 : 434، رقم: 4056
4. اِحمد بن حنبل، المسند، 1 : 210، رقم: 1796
5. بیہقی، السنن الکبری، 5 : 127، رقم: 9316

(3) عبد الحق، اشعۃ اللمعات شرح مشکاۃ المصابیح، 2 : 345

(4) 1. احمد بن حنبل، المسند، 4 : 82، رقم : 16797
2. ابن حبان، الصحیح، 9 : 166، رقم: 3854
3. شیبانی، کتاب المبسوط، 2 : 422
4. ابن ابی شیبة، المصنف، 3 : 246، رقم: 13884، 13885
5. دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، 3 : 44، رقم: 4113
6. بیهقی، السنن الکبری، 9 : 295، رقم: 19021
7. طبرانی، المعجم الکبیر، 2 : 138، رقم: 1583
8. هیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 3 : 251
9. هیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 4 : 25

(5) وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، 3 : 2168

(6) 1. ابن ہشام، السیرة النبویة: 65. 67
2. ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، 1 : 442. 447
3. سہیلی، الروض الأنف فی تفسیر السیرة النبویة لابن ہشام، 1 : 117. 126
4. ابن الوردی، تتمة المختصر فی اخبار البشر، 1 : 92
5. ابن کثیر، البدایة والنہایة، 2 : 101. 110
6. قسطلانی، المواہب اللدنیة، 1 : 99. 104

7. صالحی، سبل الهدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، 1 : 217. 222

8. زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، 1 : 156. 166

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ○ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ○ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ○ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ○

’’کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ ○ کیا اس نے ان کے مکر و فریب کو ناکام نہیں کر دیا؟ ○ اور اس نے ان پر (ہر سمت سے) پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے ○ جو اُن پر کنکریلے پتھر مارتے تھے ○ پھر (اللہ نے) ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح (پامال) کر دیا ○‘‘

الفیل، 105 : 1 - 5

یہی وجہ تھی کہ سن 10 ہجری میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مناسکِ حج کی ادائیگی کے دوران جب مُحَسِّر کے مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ جلدی جلدی اس وادی سے گزر جائیں۔ یہ کیفیت اِس اَمر کی غماز تھی جیسے عذاب آنے والا ہو۔ یہ عذاب بہت پہلے ابرہہ اور اس کے لشکر پر نازل ہوا تھا۔ اس کے باوجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو تلقین فرمائی کہ اپنے اوپر وُہی تاثرات اور کیفیت طاری کر لیں اور خوف و خشیتِ اِلٰہی کا وُہی منظر قائم کریں۔ خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی کیفیت اپنے اوپر طاری کر لی اور اپنی اُونٹنی کی رفتار تیز کر دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وادیٔ مُحَسِّر سے گزرنے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ثم إفاض حتی انتهی إلی وادی مُحَسِّر، فقرع ناقته فخبَّت حتی جاوز الوادی فوقف.

''پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادیٔ مُحَسِّر میں پہنچے تو اپنی اُونٹنی کو ایڑی لگائی۔ وہ دوڑ پڑی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادیٔ مُحَسِّر کو تیزی سے عبور کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مزدلفہ میں) وقوف کیا۔''

1. ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب ما جاء إن عرفة کلها موقف، 3 : 232، رقم : 885

2. إحمد بن حنبل، المسند، 1 : 75، رقم : 562

3. ابن خزیمہ، الصحیح، 4 : 272، رقم : 2861

4.. بزار، البحر الزخار، 2 : 165، رقم : 532

5. إبو یعلی، المسند، 1 : 264، رقم : 312

شیخ عبد الحق محدث دہلوی (958۔1052ھ) اس وادی کے بارے میں فرماتے ہیں :

مستحب ست شتاب رفتن ازیں وادی، واگر پیادہ است تیز رَود، واگر سوار است تیز راند.

عبد الحق، إشعة اللمعات شرح مشکاة المصابیح، 2 : 324

"اس وادیٔ (مُحَسِّر) میں تیز چلنا مستحب ہے، اگر پیدل ہے تو تیز چلے اور اگر سوار ہے تو اپنی سواری کو تیز ہانکے۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو اس وادی سے تیز چلنے کا حکم کس لیے دیا اور خود عمل کرکے کیوں دکھایا جب کہ اس وقت وہاں کوئی ابابیل کے جھنڈ تھے نہ کہیں کنکروں کی بارش برسائی جارہی تھی؟ اس کا جواب ہے کہ عبرت حاصل کرنے کے لیے یہ کیفیت پیدا کرنے کا ایک عمل تھا۔ یہ تیز رفتاری اب قیامت تک اُمت کے لیے سنت بن گئی ہے۔ اور حکم ہے کہ جب حجاج اس مقام سے گزریں تو رفتار تیز کرلیں اور سوار اپنی سواریوں کو ہانکتے ہوئے گزریں۔

اس حکم اور عمل کے پیچھے صرف ایک ہی مقصد کارفرما ہے اور وہ ہے کہ گزشتہ واقعہ کی کیفیات یاد کرکے انہیں دِل و دماغ پر طاری کیا جائے اور تصور و تخیل میں اس کی یاد بسائی جائے۔ مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ گزشتہ واقعات کی یاد تازہ کرنا خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعات اسلامی تعلیمات میں اہم اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

6۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کیفیتِ غم طاری ہو جانا

تخیل اور تصور پر آثارِ غم اور کیفیاتِ مسرت کا طاری ہونا ایک فطری اَمر ہے۔ ان کا اظہار انسان کے چہرہ سے ہوتا ہے۔ خوشی کا واقعہ یاد آئے تو چہرہ پر مسرت کے آثار نمایاں

ہو جاتے ہیں، واقعہ غم ناک ہو تو آنسو چھلک پڑتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک واقعہ سید نا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔

1. حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

إمَّنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی الفجر، فقرإ سورۃ یوسف، حتی إذا انتہی إلی قولہ (وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ) بکی حتی سالت دموعہ، ثم رکع.

''ایک روز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر کی امامت کرائی اور سورۃ یوسف کی تلاوت کی، جب وہ اس آیت۔ (اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں سو وہ غم کو ضبط کیے ہوئے تھے)۔ پر پہنچے تو رونے لگے یہاں تک کہ ان کے آنسو بہنے لگے۔ اور پھر وہ رکوع میں چلے گئے۔''

1. شیبانی، کتاب الحجۃ علی إہل المدینہ، 1 : 113، 115، 116
2. طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر إی وقت ہو، 1 : 233، رقم: 1051

2۔ ابن ابزی کہتے ہیں :

صلیت خلف عمر فقرإ سورۃ یوسف حتی إذا بلغ (وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ) وقع علیہ البکاء، فرکع.

''ایک مرتبہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز پڑھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۂ یوسف کی قرات کی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اس آیت (اور ان

کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں) پر پہنچے تو (حضرت عمر پر رِقت طاری ہو گئ اور) آپ اس قدر روئے کہ آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ پھر آپ رکوع میں چلے گئے۔"

ابن قدامہ، المغنی، 1 : 335

حضرت یعقوب علیہ السلام کے گریہ پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ غم کی طرح لاتعداد مثالیں کتبِ حدیث و تفسیر میں مذکور ہیں، جن سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ایمان و عقیدہ کی اصل دل کا حال ہے جس کی مداومت سے مومن کو حلاوتِ ایمان نصیب ہوتی ہے۔ بعینہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان بھی دراصل مومن کے دل کا حال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کی اصل حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت قرآن حکیم کے مطابق اُمت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا سب سے عظیم احسان ہے۔ (1) ربِ کریم کے اس احسان کا شکر کیسے ادا ہو؟ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیامیں تشریف آوری کی یاد کا حق کیسے ادا ہو؟ دل کی رگوں میں جاگزیں حبِ رسول کا اِظہار کیسے ممکن ہو؟ یہ سب سوال ہمیں ایک ہی سمت لے جاتے ہیں کہ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اِظہارِ مسرت کی کیفیت ہمیں لپیٹ لے، ہم محفلیں سجائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیوانے بن جائیں، اور ہمارا جو قدم بھی اٹھے اطاعتِ رسول میں اٹھے۔

آل عمران، 3 : 164

اِس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ واقعات کے حوالے سے خوشی اور غم کا اِظہار کرنا اور ان کیفیات کو اپنے اوپر طاری کر لینا سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کو چودہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے پر مسرت موقع کو یاد کرتے ہوئے خوشی کا اظہار اور جشن کا اہتمام اس لیے کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو ہزاروں سال پہلے بیتے ہوئے واقعات یاد کرنے اور وہی کیفیات اپنے اوپر طاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور سنتِ صحابہ پر عمل کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری اللہ تعالٰی کی رحمت، اس کا فضل اور اِحسانِ عظیم ہے۔ یہ ساری امت کے لیے خوشی، مسرت وانبساط اور فخر واحسان کا موقع ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر کیف ومستی اور مسرت وانبساط کی کیفیات اپنے اوپر طاری کر لیں۔ ہم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسرت انگیز موقع پر اسی طرح فرحاں وشاداں ہوتے ہیں جیسے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے ہوا تھا۔ ہم بھی میلاد مناتے ہوئے اسی طرح مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہیں جس طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت موجود تھے۔ یہ ایک کیفیت پیدا کرنا ہے جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ بھی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمّت ہونے کے ناتے ہم پر لازم ہے

کہ چودہ سو سال پہلے بیت جانے والی کیفیات کا تصور کرتے ہوئے شایانِ شان طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یومِ میلاد منائیں۔